Al-Abṣār (Research Journal of Fiqh & Islamic Studies)
ISSN: 2958-9150 (Print) 2958-9169 (Online)
Published by: Department of Fiqh and Shariah, The Islamia University of Bahawalpur.
Volume 04, Issue 01, January - June 2025, PP: 139-154
DOI: https://doi.org/10.52461/al-abr.v2i2.2427
Open Access at: https://journals.iub.edu.pk/index.php/al-absar/about

تفسیر جواہر القرآن میں تفسیری تفردات کا تنقیدی جائزہ

A Critical Analysis of Unique Interpretations in the Tafsir Jawahir al-Qur'an

Dr. Shahid Amin
Associate Professor, Department of Islamic & Religious Studies, Hazara University Mansehra
shahidaminn@live.com

Mahboob Elahi
Islamic And religious studies Department Hazara university Mansehra
melahi78@yahoo.com

Dr. Anwar Ali
SST, Govt Higher Secondary School Topi, Swabi, Khyber Pakhtunkhwa
anwaraliphd@gmail.com

Abstract

With the revelation of the Holy Qur'an, the science of Tafsir (Qur'anic exegesis) was started. In some cases, certain verses were explained by other verses "himself provided interpretations of various verses, and these explanations are documented in the books of Hadith, particularly in the section known as "Kitab al-Tafsir". After the Prophet [ﷺ], this scholarly tradition continued through the Companions (Sahabah), the Followers (Tabi'in), and their successors (Taba' Tabi'in), extending all the way into the fifteenth century Hijri. Even today, scholars across the globe continue to write Qur'anic commentaries in various languages.
Within this vast literature, commentators often differ in their interpretations and reasoning, resulting in a variety of perspectives. At times, some interpretations even deviate significantly from the mainstream views of the majority of scholars and the traditional Sunni school of thought. These unique interpretations are known as "taffurrud" (individual opinions). In the modern era, several exegetes are known for their distinctive views. One

All Rights Reserved © 2022 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

such notable figure is "Shaykh al-Qur'an" Maulana Ghulamullah Khan, who compiled the teachings of his mentor, Maulana Hussain Ali. This compilation was later edited and published by Maulana Ahmad Sajad Bukhari under the title "Jawahir al-Qur'an".

The work consists of three large volumes, including an eighty-page preface explaining the methodology and terminology, totaling 1483 pages. Upon publication, the tafsir faced strong criticism. The author of this commentary was deeply devoted to the message of Tawheed (monotheism), and thus, his tafsir openly and fearlessly addresses issues such as shirk (polytheism), bidah (religious innovations), divinity, offerings and vows, intercession, hearing of the dead, knowledge of the unseen, and similar theological matters. Besides these secondary issues, the commentator frequently adopted an approach distinct from the majority of classical exegetes.

Keywords: *Tafsir, Jawahir al-Qur'an, Ghulamullah Khan, Unique Interpretations, Tafarrudat, Qur'anic Exegesis, Contemporary Mufassireen, Critical Analysis, Classical Tafsir, Theological Issues in Tafsir.*

1 تعارف وتمہید

قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ہی اس کے علمِ تفسیر کا آغاز ہو گیا چنانچہ بعض آیات کی تفسیر دوسرے مقامات پر نازل ہونے والی آیات سے ہو جاتی۔ جب کہ کئی مواضع کے بارے میں آقا علیہ السلام سے آیات کی تفسیر منقول ہے جس کی گواہی کتبِ احادیث میں موجود کتاب التفسیر دیتی ہے۔

تفسیری لٹریچر میں مفسرین کرام کی آیات کی تفسیر و تاویل میں مختلف آراء تفاسیر کا حصہ ہیں حتیٰ کہ بعض مقامات پر جمہور مفسرین اور مسلکِ اہل سنت والجماعت کی تفاسیر سے مکمل اختلاف کیا گیا ہے اور وہ رائے اس خاص مفسر کا تفرد کہلاتا ہے۔ دور حاضر میں بھی کئی مفسرین اپنے تفردات کے ساتھ معروف ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور نام شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ کا ہے جنہوں نے اپنے استاد مولانا حسین علیؒ کے افادات کو جمع کیا۔ پھر اس سارے مواد کو مولانا احمد سجاد بخاریؒ نے جواہر القرآن کے نام سے طبع کیا۔ یہ تفسیر تین ضخیم جلدوں اور اسّی (80) صفحات کے مقدمہ و مصطلحات کی وضاحت پر مشتمل ہے اور کُل صفحات 1483 ہیں۔ تفسیر کے منظر عام پر آتے ہی اس پر کڑی تنقید بھی ہوئی۔ صاحبِ تفسیر دعوتِ توحید میں استغراق کے حامل تھے

چنانچہ تفسیر میں جابجاتوحید، ردِ شرک وبدعت، مسئلہ الہ، نذر ونیاز، توسل، سماع موتیٰ، علمِ غیب، وغیرہ مسائل کو بلا جھجک وخوف دو ٹوک انداز میں بیان کیا ہے۔ ان فروعی مسائل کے علاوہ تفسیر کرتے ہوئے متعدد مقامات پر جمہور مفسرین سے الگ انداز اپنایا ہے۔

مؤلف جواہر القران نے تفسیر میں کئی جگہوں میں عام مفسرین کی بیان کردہ تفسیر سے بالکل الگ رائے ظاہر کی ہے۔ انہی مقامات میں سے تحویل قبلہ سے متعلق آیات کی تفسیر ہے۔ عام مفسرین نے اس آیت ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾[1] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آقاعلیہ السلاموحی کی آمد کے منتظر رہتے اور بوجہ اشتیاق بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھاکر دیکھتے تھے۔ لیکن شیخ غلام اللہ خان تفسیر یوں کرتے ہیں کہ آقاعلیہ السلام تکلیف وناگواری سے آسمان کی طرف بار بار دیکھتے تھے کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر آیت ﴿ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾[2] میں السیئات کا معنی عام مفسرین نے گناہ کا لیا ہے یعنی بے شک نیکیاں گناہوں کو دھوڈالتی ہیں لیکن جواہر میں تفسیر یوں کی گئی ہے کہ السئیات سے مراد گناہ نہیں ہیں کہ تاویلیں نہ کرنی پڑیں بلکہ مراد سختیاں ہیں۔ ایک اور جگہ یعنی سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں منافقین کی دو مثالوں کا بیان ہے اور جمہور مفسرین ان دونوں مثالوں کو منافقین ہی کے لیے بیان کردہ تسلیم کرتے ہیں لیکن مؤلف نے پہلی مثال ﴿یعنی مَثَلُهُمْ سے لَا يَرْجِعُوْنَ﴾[3] کو علانیہ کافروں کے لیے قرار دیا ہے جب کہ دوسری مثال ﴿یعنی اَوْ كَصَيِّبٍ سے شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[4] کو منافقین کے ساتھ خاص کیا ہے جو حضرت شیخ کا تفرد ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کریم کی کئی آیات کی تفسیر میں جواہر القرآن کا تفسیری تفرد نمایاں ہے۔ مقالہ ہذا میں انہی مختلف مقامات پر کیے گئے تفسیری تفردات میں سے چند ایک کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

تَفَرَّدَ، يتفرَّد، تفرُّدا باب تفعُّل سے ہے کسی شخص کی انفرادیت کو کہتے ہیں جس میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہ ہو۔[5] تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحبِ فکر و نظر شخصیت کے افکار، اقوال اور تحاریر میں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں جو اسی کے ساتھ خاص ہوتی ہیں۔ تفسیر کے میدان میں جہاں کئی بڑی شخصیات ہمیں نظر آتی ہیں اور اپنے تفردات کے ساتھ تاریخ میں نمایاں ہوتی ہیں انہی میں سے بیسویں صدی عیسوی کی ایک شخصیت جو اپنے تفسیری تفردات کی بنا پر ہم عصر علماء کی کڑی تنقید کا نشانہ بنی، مولانا غلام اللہ خان ؒ ہیں۔

2 مؤلف کا تعارف اور ان کے چند تفسیری تفردات

مولانا غلام اللہ خان ضلع اٹک (پرانا کیمبل پور) کی تحصیل حضرو میں پیدا ہوئے۔ آبائی علاقہ میں ابتدائی علوم کے حصول کے بعد مولانا حسین علیؒ کے پاس میانوالی چلے گئے۔ وہاں درس تفسیر لینے کے بعد دارالعلوم دیوبند کے لیے رختِ سفر باندھا۔ چند

کتب پڑھ کر مولانا انور شاہ کشمیری کے ہاں ڈابھیل پہنچے جہاں دورۂ حدیث کی تکمیل اور ایک سالہ تدریس کے بعد ۱۹۳۹ء میں راولپنڈی آکر تعلیم القرآن کے نام سے ادارہ قائم کیا۔[6] اپنے شیخ واستاد مولانا حسین علی کی پیروی کرتے ہوئے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل "جواہر القرآن" کے نام سے قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ اپنی اس تفسیر میں اپنے استاد و مرشد کے تفسیری اقوال و نکات کو بھی جمع کیا ہے لیکن خال خال دوسری تفاسیر کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ ان تفسیری فوائد و نکات کی افادیت کے باوجود کئی مقامات پر ان کے انفرادی تفردات بھی موجود ہیں۔ مطالعۂ تفسیر کے دوران بعض مقامات پر جواہر القرآن اور جمہور مفسرین کی تفسیری رائے بالکل الگ نظر آئی، ایسے مقامات میں سے چند ایک کا بطورِ نمونہ تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

3 منافقین کے بارے میں دو مثالوں کا بیان

پہلا مقام جہاں عام مفسرین سے مختلف تفسیر کرتے ہیں، وہ سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں منافقین کی دو مثالوں کا بیان ہے۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دونوں مثالیں منافقین کے لیے بیان کی گئی ہیں لیکن مؤلفِ جواہر القرآن نے پہلی مثال ﴿یعنی مَثَلُهُمْ سے لَا يَرْجِعُونَ﴾[7] کو اعلانیہ کافروں کے لیے قرار دیا ہے جب کہ دوسری مثال ﴿یعنی أَوْ كَصَيِّبٍ سے شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[8] کو منافقین کے ساتھ خاص کیا ہے، یہ صاحبِ جواہر کا تفرد ہے۔

چنانچہ آیت ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾[9] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "اللہ تعالیٰ نے ان تینوں جماعتوں یعنی مومنین، کفار اور منافقین کا حال بیان کرنے کے بعد آخر الذکر دو جماعتوں کا حال خوب واضح کرنے کے لیے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک اعلانیہ کافروں کیلئے یعنی مَثَلُهُمْ سے لَا يَرْجِعُونَ تک اور ایک منافقوں کیلئے یعنی أَوْ كَصَيِّبٍ سے آخر رکوع تک اس لیے مَثَلُهُمْ کی ضمیر مطلق کفار کی طرف راجع ہے۔"[10]

اسی طرح اگلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "اور یہ منافقین کے حال کی واحد تمثیل ہے اور پھر اس تمثیل کی دو شقیں ہیں ایک ﴿وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ تک اور دوسری ﴿يَكَادُ الْبَرْقُ﴾ سے آخر رکوع تک۔"[11]

جب کہ اسی مقام کی تفسیر کرتے ہوئے امام قرطبی فرماتے ہیں:

> "آیت کی مراد یہ ہے کہ یہ منافقین کے لئے مثال دی گئی ہے۔"[12]

اسی طرح اس مقام پر تفسیر کرتے ہوئے مفتی شفیعؒ لکھتے ہیں:

"آخری چار آیتوں میں منافقین کے حال کی دو مثالیں دے کر اس کا قابل نفرت ہونا بیان فرمایا گیا۔"[13]

دیگر مفسرین کے یہ دو حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ عام مفسرین کے ہاں یہ دونوں مثالیں منافقین کے لیے ہی بیان کی گئی ہیں جب کہ حضرت شیخ ان میں سے ایک کو کفار کے لیے خاص مانتے ہیں جو ان ہی کا تفرد ہے۔

3.1 وادخلوا الباب میں الباب سے مراد

ایسے ہی سورۃ البقرۃ کی ایک آیت میں الباب سے مراد مسجد کا دروازہ مراد لیتے ہیں جو شیخ کا تفرد ہے۔

﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾[14]

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے جواہر القرآن میں مولانا غلام اللہ خان لکھتے ہیں:

"اگر دروازہ سے بیت المقدس کی مسجد کا دروازہ مراد ہو جیسا کہ امام نسفی فرماتے ہیں باب القبلة التی کانوا یصلون الیها (مدارک ص39ج1) اور سجداً حال موکدہ نہ ہو بلکہ حال مقدرہ ہو جیسا کہ یا ایها النبی انا ارسلناک شاهداً میں علامہ زمخشری نے لکھا ہے (کشاف ص434ج2) تو اس صورت میں اصل عبارت یوں ہوگی وادخلوا باب المسجد مقدرین لکم السجود وقت حصولکم فیه۔ اور مقصد یہ ہے کہ اس شہر میں کھانے پینے کی چیزیں کثرت اور فراوانی سے موجود ہیں۔ خوب فراخی سے کھاؤ، پیو اور ساتھ بطور شکر نعمت خدا کے گھر میں حاضر ہو کر اس کی عبادت بجالاؤ۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔"[15]

عام مفسرین اس سے مراد شہر کا دروازہ لیتے ہیں چنانچہ امام قرطبی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وَالْبَابُ الَّذِي أُمِرُوا بِدُخُولِ هُوَ بَابٌ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ يُعْرَفُ الْيَوْمَ بـ"– بَابِ حِطَّةٍ" عَنْ مُجَاهِدٍ وَغَيْرِهِ."[16]

"وہ دروازہ جس سے انہیں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا وہ بیت المقدس میں تھا۔ آج وہ باب حطہ کے نام سے مشہور ہے۔ مجاہد وغیرہ سے یہ مروی ہے۔"

اسی طرح علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

"وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا، "باب" سے مراد شہر کا پھاٹک ہے۔"[17]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام مفسرین باب سے شہر کا دروازہ مراد لیتے ہیں جب کہ حضرت شیخ اس سے بیت المقدس کا دروازہ مراد لیتے ھیں جو ان کا تفردھے۔

3.2 واقعہ ذبح بقرۃ

اسی طرح پہلے پارے کا ایک اور مقام سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۲ کی تفسیر ہے۔

﴿وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ﴾ [18]

"اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اور اس کے بعد اس کا الزام ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، اور اللہ کو وہ راز نکال باہر کرنا تھا جو تم چھپائے ہوئے تھے۔" [19]

مفسرین کی رائے میں ذبح بقرۃ کا حکم اور آیتِ بالا ایک ہی واقعہ کے دو حصے ہیں جن میں تقدیم و تاخیر کی کئی وجوہات اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے نزدیک قتلِ نفس کا واقعہ پہلے پیش آ چکا تھا، اور قاتل کی شناخت کے لیے حکم دیا گیا کہ گائے کو ذبح کیا جائے، تاکہ اس کا گوشت مقتول کے جسم سے چھونے پر وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دے۔ مولانا غلام اللہ خان اس مقام پر لکھتے ہیں:

"یہ مستقل واقعہ ہے جو پہلے واقعہ کے بعد پیش آیا۔" [20]

آیت بالا کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی اشرف التفاسیر میں رقمطراز ہیں:

"وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ اور جب تم نے ایک جان کا خون کر دیا پھر اس کو ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کا ظاہر کرنا تھا جس کو تم چھپا رہے تھے یہ اس قصہ کی ابتداء ہے جس کو ترتیب میں مؤخر کیا گیا ہے۔ مفسرین نے اس تقدیم و تاخیر میں بہت سے نکات لکھے ہیں ان سب میں سہل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس مقام پر دور سے بنی اسرائیل کی بے عنوانیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے اور یہاں بھی اس کا بتلانا مقصود ہے اور اس قصہ میں بنی اسرائیل سے دو بے عنوانیاں ہوئی تھیں ایک قتل کر کے اخفاءِ واردات کرنا دوسرے احکام خداوندی میں خواہ مخواہ کی حجتیں نکالنا۔ پہلی بے عنوانی ابتداء قصہ میں ہوئی اور دوسری اس کے بعد اگر قصہ کو ترتیب وار بیان کیا جاتا تو ناظرین پہلے جزو کو مقصود سمجھتے اور دوسرے جزو کو تتمیم قصہ پر محمول کرتے اور ترتیب بدلنے سے صاف معلوم ہو گیا کہ دونوں ہی جزو مقصود ہیں اور ہر جزو سے ایک مستقل بے

عنوانی پر تنبیہ کرنا منظور ہے (دوسرے احکام خداوندی میں حجتیں نکالنا اخفاءواردات سے بھی بڑھ کر جرم ہے) اس لئے اس کو پہلے بیان کیا گیا کہ ناظرین کو تنبیہ ہو جائے تا کہ خدا کے نزدیک قتل وغیرہ کی نسبت احکام میں حجتیں نکالنا زیادہ شدید ہے جس کو عام لوگ معمولی بات سمجھتے ہیں۔"[21]

تفسیرِ مظہری میں ہے:

"وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا (یاد کرو) جب تم نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا، یہ اس واقعہ کا شروع ہے اور اس سے پہلے جو بیان ہو اوہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔"[22]

علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ قصے کی ابتداء ہے، ا(گرچہ تلاوت میں یہ بعد میں آتا ہے) ہم نے حکم فرمایا کہ اس مقتول کو ذبح شدہ گائے کے کسی حصے سے چھوؤ۔"[23]

حافظ ابن کثیر نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

"یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گاؤ کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ۔"[24]

صاحبِ کشاف فرماتے ہیں:

"وأنها قصة واحدة بالضمير الراجع إلى البقرة." [25]

مختلف تفاسیر کے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ تھا لیکن کئی ایک حکمتوں کے پیشِ نظر اول حصہ کو مؤخر جب کہ بعد والے حصہ کو مقدم کر دیا۔ لیکن صاحبِ جواہر نے ان دونوں کو ایک ہی واقعہ ماننے کی بجائے ان کو الگ الگ واقعات شمار کیا۔

3.3 تحویل قبلہ

عام مفسرین نے اس آیت ﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ﴾[26] کی تفسیر میں لکھا ہے کہ آقا علیہ السلام وحی کی آمد کے منتظر رہتے اور بوجہ اشتیاق بار بار نگاہ آسمان کی جانب اُٹھا لیتے تھے۔۔ لیکن شیخ غلام اللہ خان تفسیر یوں کرتے ہیں کہ آقا علیہ السلام تکلیف وناگواری سے آسمان کی طرف بار بار دیکھتے تھے کہ کہیں تحویل قبلہ کا حکم نہ آجائے۔

اس تفسیر کرنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کی یہ خواہش کہ ابھی تحویلِ قبلہ نہ ہو اس وجہ سے تھی کہ قبلہ میں موافقت کی وجہ سے ہی شاید یہود ایمان قبول کرلیں۔

قاضی ثنااللہ تفسیرِ مظہری میں لکھتے ہیں:

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاۗءِ آقاعلیہ السلام کا دل اس بات کو چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہو جائے کیونکہ وہ قبلہ ابراہیمی تھا۔"[27]

ابن کثیر فرماتے ہیں:

"وَكَانَ يُحِبُّ قِبْلَةَ إِبراهيم فَكَانَ يَدْعُو إِلَى اللَّهِ وَيَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ"[28]

بخاری شریف میں سیدنا براءبن عازبؓ کی روایت ہے:

کہ آقاعلیہ السلام نے (مدینہ منورہ میں) تقریباً سولہ یا سترہ ماہ تک آپؐ نے بیت المقدس کی سمت رخ کر کے نماز پڑھی، مگر آپؐ کی خواہش تھی کہ قبلہ بیت اللہ قرار پائے"[29]

اوپر تحریر کردہ تفسیری حوالہ جات ظاہر کرتے ہیں کہ آقاعلیہ السلام قبلہ ابراہیمی کو پسند فرماتے تھے اور آپ کی خواہش یہی تھی کہ کب اللہ کی طرف سے حکم آئے گا اور قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ قرار پائے گا۔

اور مذکورہ حدیث سے بھی یہی بات معلوہوتی ہے کہ آقاعلیہ السلامکو بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا پسند تھا اور آپ کو اسی حکم کا انتظار تھا کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہو گا۔ لیکن شیخ غلام اللہ خان نے جمہور مفسرین کی تفسیر سے ہٹ کر اس علت کے ساتھ تفسیر کی کہ یہود کے ایمان لانے کی امید پر آپ تحویلِ قبلہ فی الحال نہیں چاہتے تھے۔ یہ تفسیر آپ کے تفردات میں سے ہے۔

3.4 یعرفونہ کی ضمیر کا مرجع

مولانا غلام اللہ خانؒ کے تفرادات میں سے ایک اور مقام سورۃ البقرۃ کی آیت 146 ہے:

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾۔[30]

"الذین سے اہل کتاب کے اہل علم لوگ مراد ہیں۔ يَعْرِفُونَہ کی ضمیر آقاعلیہ السلام کے ان اوصاف کی طرف راجع ہے جن کا ذکر بطور خطاب کے بیان کیے گئے ہیں کہ علماء اہل کتاب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی صداقت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تورات وانجیل میں

آ قاعلیہ السلام کے اوصاف سے یعرفونہ کی ضمیر کا مرجع آپ کی ذات کو بنانا اگرچہ فی نفسہ صحیح ہے لیکن سیاق سباق کے مناسب نہیں لہذا یعرفونہ کی ضمیر، قبلہ کی طرف راجع ہے۔"[31]

آیت کی تفسیر میں امام قرطبی (م 671ھ)[32]، امام بیضاوی (م 685ھ)[33]، حافظ ابن کثیر (م 774ھ)[34] اور دیگر مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یعرفونہ کی ضمیر کا مرجع آ قاعلیہ السلام کی ذات گرامی ہیں اور خود صاحبِ جواہر نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن راجح قولِ اول ہی ہے جیسا کہ اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

"علماءِ اہلِ کتاب، محمد ﷺ کو خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا ذکر تورات میں ہے اور جن پر ایمان لانے اور جن کی مدد کرنے کا ہمیں حکم ہوا ہے۔ اس تفسیر کے موافق یَعْرِفُوْنَہٗ میں ہٗ ضمیر آ قاعلیہ السلا م کی طرف راجع ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ علم یا قرآن یا تحویل قبلہ کی طرف راجع ہے مگر آ قاعلیہ السلام کی طرف راجع ہونا زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اگر قرآن یا علم یا تحویل قبلہ کی طرف راجع ہوتی تو کَمَا یَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَهُمْ (جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو) فرمانا مناسب نہ تھا۔"[35]

اوپر کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں اگرچہ احتمال امر قبلہ کی طرف ضمیر کے راجع ہونے کا بھی ہے لیکن عام مفسرین نے پہلا ہی قول اختیار کیا ہے یہاں تک کہ امام رازی جن کی عبارت صاحبِ جواہر نے نقل کی ہے، انہوں نے بھی اولیت و فوقیت پہلے ہی قول کو دی ہے۔[36] لہذا جواہر القرآن کی یہ عبارت کہ ضمیر کا مرجع آ قاعلیہ السلام کی ذات کو بنانا سیاق و سباق کے مناسب نہیں، تفرد ہے اور بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہاں پر سیاق وسباق سے آ قاعلیہ السلام کی ذات کو مرجع نہ بنانے کی عدم مناسبت سمجھ سے بالاتر ہے۔ چونکہ ما قبل میں آ قاعلیہ السلامہی کو خطاب ہے اور یہاں پر بھی آپ ہی مخاطب ہیں لہذا سیاق وسباق سے بھی قولِ اول کی اولیت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ امام رازی اور جمہور مفسرین پہلے ہی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

3.5 وصیت للوالدین والاقربین کا معنی

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 180 کی تفسیر میں بھی عام مفسرین کی رائے سے ہٹ کر مؤقف اختیار کیا گیا ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾[37]

مؤلفِ جواہر القرآن اس آیتِ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"یہاں وصیت والدین اور اقربین کے لیے نہیں بلکہ والدین اور اقربین کو ہے اور المعروف سے مراد حکم شرعی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مرنے والے پر لازم ہے کہ وہ ماں باپ اور رشتہ داروں کو اس بات کی وصیت کرے کہ وہ اس کا ترکہ حکم شرعی کے مطابق تقسیم کریں۔"[38]

اسی آیت کی تفسیر دیگر مفسرین اس کے برعکس کرتے ہیں چنانچہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ماں باپ اور قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے، میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا ٹھیک قول یہی ہے، لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا، ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لے گا۔"[39]

ایسے ہی مشہور تفسیر، تفسیر جلالین میں یوں لکھا ہے:

"تم پر لازم کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی پر موت کے آثار ظاہر ہوں اور وہ کچھ مال ترکہ میں چھوڑے، تو وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرے۔"[40]

جمہور مفسرین اس آیت کے حکم کو آیتِ میراث کے نزول سے پہلے فرض درجہ کا حکم گردانتے ہیں۔ اس میں مومنین کے لیے حکم یہ تھا کہ موت کی علامات ظاہر ہونے پر اپنے والدین اور رشتہ داروں کے لیے مال کے حصص کی وصیت کر جائیں۔ اور آیتِ میراث کے نازل ہونے کے بعد والدین ورشتہ داروں کے لیے یہ وصیت منسوخ ہوگئی جب کہ میراث سے حصہ نہ پانے والے رشتہ داروں اور غیروں کے لیے ثُلث مال میں وصیت کرنے کو مستحب لکھا ہے۔ لیکن عام مفسرین کی تفسیر سے ہٹ کر حضرت شیخ اس آیت کو اُس وقت اور اب بھی رشتہ داروں اور والدین کو وصیت کرنے اور حکم دینے کے بارے میں قرار دیتے ہیں کہ مرنے والا والدین و رشتہ داروں کو حکم دے کہ میرے مرنے کے بعد شرعی لحاظ سے میراث تقسیم کی جائے، یہ نکتہ جواہر القرآن کے تفسیری تفردات میں سے ایک ہے۔

3.6 السَّیِّئَات سے سختیاں مراد لینا

تفسیر جواہر القرآن میں مؤلف نے ایک اور مقام پر تفرد اختیار کیا ہے یعنی قرآن کریم کی گیارہویں سورت کی درج ذیل آیت کے لفظ السیئات کی مراد کے بارے میں آپ کی رائے مختلف ہے:

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾[41]

اس آیت کی تفسیر میں مولانا غلام اللہ خان لکھتے ہیں کہ

"سیئات سے سختیاں اور مصیبتیں مراد ہیں اس طرح سیئات میں صغیرہ گناہوں کی تاویل کرنے کی ضرورت نہ پڑے گی۔"[42]

اس کے برعکس جمہور مفسرین نے سیئات سے مراد گناہ ہی لیے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے ذیل میں ابن کثیرؒ نے وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جن میں نماز، وضو، ودیگر عبادات سے گناہوں کی معافی کی ذکر ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی سیئات سے گناہ ہی مراد لیتے ہیں۔ وہ تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إنَّ فعلَ الخَيْراتِ يُكَفِّرُ الذُّنُوبَ السَّالِفَةَ[43]

اس کے بعد مختلف روایت نقل کرتے ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے:

"کہ اک آدمی نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کی کہ میں نے باغ میں اس عورت سے سب کچھ کیا، ہاں جماع نہیں کیا اب میں حاضر ہوں جو سزا میرے لیے آپ تجویز فرمائیں میں برداشت کرلوں گا۔ آقا علیہ السلام نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلا گیا۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے فرمایا اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی کاش یہ بھی اپنے نفس کی پردہ پوشی کرتا۔ حضور اکرم ﷺ برابر اسی شخص کی طرف دیکھتے رہے پھر فرمایا: اسے واپس بلالاؤ۔ جب وہ آگیا تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔"[44]

بخاری شریف میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ

"اس نے کہا کہ کیا یہ میرے لیے ہی خاص ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لیے یہی حکم ہے۔"[45]

حدیثِ بالا سے بھی یہ مضمون واضح ہوتا ہے کہ سیئات سے مراد یہاں پر گناہ ہی ہیں۔

اسی طرح مشہور مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"إنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو بیشک۔ یعنی نیکیوں کی وجہ سے برائیاں ساقط کردی جاتی ہیں۔"[46]

اس کے بعد قاضی صاحب نے ذکر وعبادات سے گناہوں کی معافی والی روایت ذکر کی ہیں۔

مندرجہ بالا تفاسیر سے عام مفسرین کا اس آیت میں لفظِ سیئات سے گناہ مراد لینا واضح ہوتا ہے۔ جمہور مفسرین اس لفظ سے مراد لینا بالکل عیاں ہے۔ علاوہ ازیں حدیثِ پاک میں گناہ کی معافی بیان میں آقا علیہ السلام کا اس آیت کو تلاوت کرنا بھی ثابت کرتا ہے کہ اس لفظِ سیئات سے مراد گناہِ صغیرہ ہی ہیں اور کبیرہ گناہ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے۔ اور اگر اللہ کریم کسی پشیمانی و ندامت کے باعث اعمالِ صالحہ ہی کی بنیاد پر کبیرہ گناہ معاف فرما دیں تو اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ لہٰذا مؤلفِ جواہر کا سیئات سے سختیاں مراد لینا اس بنا پر کہ صغیرہ گناہوں کی تاویل نہ کرنی پڑے، ان کا تفرد ہے۔

3.7 سیدہ زینبؓ کی عدت

سیدہ زینبؓ کا سیدنا زید بن حارثہؓ سے نکاح ہوا لیکن نباہ نہ ہو سکا اور کچھ عرصہ بعد طلاق ہو گئی۔ مولانا غلام اللہ خان کے نزدیک سیدہ زینب کا مدخولہ ہونا ثابت نہیں اسی لیے وہ ان کی عدت کے بھی قائل نہیں۔ چنانچہ سورۃ احزاب کی آیت ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا﴾[47] کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ الخ، "وطرا" سے مراد طلاق ہے، حضرت زینب کا مدخولہ ہونا ثابت نہیں (اس لیے ان کی عدت نہیں پس) جب زید نے زینب کو طلاق دے دی تو ہم نے آپ کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔"[48]

دیگر مفسرین کے ہاں اس آیت کی تفسیر میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ سیدہ زینبؓ طلاق کے بعد عدت میں رہیں اور عدت پوری ہونے کے بعد آقا علیہ السلام سے آپ کا نکاح رب تعالیٰ نے کر دیا۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیرؒ رقمطراز ہیں:

"الْوَطَرُ: هُوَ الْحَاجَةُ وَالْأَرَبُ، أَيْ: لَمَّا فَرَغَ مِنْهَا، وَفَارَقَهَا، زَوَّجْنَاكَهَا، وَكَانَ الَّذِي وَلِيَ تَزْوِيجَهَا مِنْهُ هُوَ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ، بِمَعْنَى: أَنَّهُ أَوْحَى إِلَيْهِ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيْهَا بِلَا وَلِيٍّ وَلَا مَهْرٍ وَلَا عَقْدٍ وَلَا شُهُودٍ مِنَ الْبَشَرِ. قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ: "اذْهَبْ فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ""[49]

"وطر کے معنی حاجت کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب زید ان سے سیر ہو گئے اور باوجود سمجھانے بجھانے کے بھی میل ملاپ قائم نہ رہ سکا بلکہ طلاق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کو اپنے نبی کے نکاح میں دے دیا۔ اس لئے ولی کے ایجاب و قبول سے مہر اور گواہوں کی ضرورت نہ رہی۔ مسند احمد میں ہے حضرت زینب

کی عدت پوری ہو چکی تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ سے کہا کہ تم جاؤ اور انہیں مجھ سے نکاح کرنے کا پیغام پہنچاؤ۔"

آیتِ بالا کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

"مسلم ،احمد ،نسائی ،ابو یعلی ،ابن ابی حاتم ،طبرانی اور بغوی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے اور یہ روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بغوی نے ذکر کی ہے کہ جب زینب کی عدت پوری ہو گئی تو رسول للہ نے زید سے فرمایا: جاکر زینب سے میرا تذکرہ کرو (یعنی پیام پہنچاؤ)۔"[50]

اسی طرح صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ سیدہ زینبؓ کی عدت کی تکمیل کے حوالے سے روایت کرتے ہیں:

"عَنْ أَنَسٍ، وَهَذَا حَدِيثُ بَهْزٍ، قَالَ: لَمَّا انْقَضَتْ عِدَّةُ زَيْنَبَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِزَيْدٍ: فَاذْكُرْهَا عَلَيَّ۔"[51]

"سیدنا انس فرماتے ہیں کہ جب سیدہ زینب کی عدت پوری ہو گئی تو آپ نے سیدنا زید سے کہا کہ زینب سے میرا ذکر کرو۔"

علامہ ابن کثیر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، و دیگر مفسرین نے سیدہ زینبؓ کی عدت کی تکمیل کا ذکر کیا ہے جب روایتِ حدیث بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کی عدت پوری ہونے کے بعد حضرت انسؓ ان کے پاس آقا علیہ السلام کا پیغام لے کر جاتے ہیں۔ لیکن صاحبِ جواہر کا اس حوالہ سے تفرد ہے کہ آقا علیہ السلام سے سیدہ کا نکاح بغیر تکمیلِ عدت کے ہوا تھا اور اس کی علت وہ یوں بیان کرتے ہیں کہ سیدہ زینبؓ غیر مدخولہ تھیں جس کی وجہ سے عدت ان پر لازم ہی نہ تھی۔

3.8 صلوٰۃ علی رسول کا معنیٰ

قرآن کریم کے پارہ نمبر بائیس کی درج ذیل آیت میں آقا علیہ السلام پر اللہ کریم اور فرشتوں کے صلوٰۃ کا تذکرہ نیز مومنوں کو صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [52]

حضرت شیخ اس کی تفسیر میں صلوٰۃ کے معنیٰ آفرین اور خراجِ تحسین کے کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

"تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خراج تحسین پیش کیا اور فرشتوں کے سامنے آپ کی مدح و ثنا اور عظمت کا اظہار فرمایا اور آپ کی قدر و منزلت سے بندوں کو بھی آگاہ کیا۔ تاکہ وہ بھی آپ کی قدر و منزلت کو پہچانیں اور آپ کو خراج تحسین پیش کریں۔"[53]

جب کہ عام مفسرین اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے درود کا معنی رحمت بھیجنے سے کرتے ہیں چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"اکثر اہل علم کا قول ہے کہ اللہ کا درود رحمت ہے فرشتوں کا درود استغفار ہے۔" [54]

ایسے ہی مشہور مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ رحمت نازل فرماتا ہے اور فرشتے آپ کیلئے دعاءِ (رحمت) کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے: یصلون یعنی برکت دیتے ہیں۔ بعض نے کہا: اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کا معنی ہے رحمت اور صلوٰۃ ملائکہ سے مراد ہے استغفار۔"[55]

مفسرین کرام اس آیتِ بالا کی تفسیر میں صلوۃ باری تعالیٰ کا معنی اللہ تعالیٰ کی طرف نزولِ رحمت سے کرتے ہیں یا برکات کا نزول مراد لیتے ہیں۔ لیکن حضرت شیخ نے عام مفسرین کے معنی سے ہٹ کر صلوۃ کا معنی خوبیوں کا بیان، ثنا و توصیف، صفات کا بیان، خراج تحسین، مدح، وغیرہ سے کیا ہے جو صاحبِ جواہر کا تفرد ہے۔

4 خلاصہ بحث

جواہر القرآن تفسیری ادب میں ایک ایسا اضافہ ہے جس میں تفردات اور اختلافی مسائل سے قطع نظر نہایت احسن طریقہ سے ہر سورت کے شروع میں دعویٰ، ربط، سورت کے مضامین، خلاصہ اور دلائل ذکر کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر سورت کے اختتام پر سورت سے مستفاد توحید سے متعلقہ آیات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بین السطور شاہ ولی اللہ، شاہ عبد القادر اور شیخ الہند کے فوائد کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ سورتوں کے مابین ربط کے ساتھ ساتھ رکوعات کا ربط بھی بیان کیا گیا ہے۔ جواہر القرآن میں مولانا غلام اللہ خان کے تفردات سے ان کا فہمِ قرآن ظاہر ہوتا ہے اور تین ضخیم جلدوں پر مشتمل تفسیر اردو تفسیری ادب میں منفرد اور جداگانہ مقام رکھتی ہے۔ زیر نظر تحقیقی مقالہ میں اختصار سے پیش کیے گئے ان کے تفردات ان کے قرآنی ذوق کا واضح ثبوت ہیں۔ علاوہ ازیں مفسر کے نقلی دلائل کی بجائے عقلی دلائل کی فوقیت سے بھرپور اور تفسیری تفردات سے معمور ایک منفرد تفسیر ہے۔

حوالہ جات

[1] القرآن 144:2

[2] القرآن 114:11

[3] القرآن 17:2 تا 18

[4] القرآن 19:2 تا 20

[5] احمد مختار عبد الحمید عمر، معجم اللغة العربیہ المعاصرة، عالم الکتب، ط۔ اول:1429ھ، ج3، ص1686

[6] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی، مقدمہ جواہر القرآن، ص6

[7] القرآن 17:2 تا 18

[8] القرآن 19:2 تا 20

[9] القرآن 18:2

[10] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی، ط: س۔ن، ج1، ص 24

[11] ایضًا ج1، ص25

[12] قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، دار الکتب المصریہ، قاہرة، ط، دوم:1384ھ، ج1، ص212

[13] محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، مکتبہ وحیدی کتب خانہ، قصہ خوانی بازار پشاور، ط:2012ء، ج1، ص118

[14] القرآن 58:2

[15] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی، ط: س۔ن، ج 2، ص38

[16] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: تفسیر القرطبی، ج۱، ص410

[17] سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر، وجلال الدین محمد بن احمد المحلی، تفسیر جلالین، مکتبہ: دار الحدیث۔ قاہرہ، ط: س ن، ج1، ص13

[18] القرآن 72:2

[19] عثمانی، محمد تقی، مفتی، آسان ترجمہ قرآن، ط:2009ء، سورة البقرة آیت 72

[20] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، ج1، ص42

[21] تھانوی، اشرف علی، مولانا، اشرف التفاسیر، ج1، سورة البقرة آیت 72

[22] پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، مولانا، تفسیرِ مظہری، مکتبہ الرشید پاکستان، ط:1412ھ، ج1، ص83

[23] سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر، وجلال الدین محمد بن احمد المحلی، تفسیر جلالین، ج1، ص15

[24] ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القران العظیم، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ط، دوم:1420ھ، ج۱، ص302

[25] زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتاب العربی-بیروت، ط:سوم:1407ھ، ج ا، ص154

[26] القرآن 144:2

[27] پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، مولانا، تفسیرِ مظہری، ج1، ص142

[28] ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج ا، ص458

[29] بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ، الجعفی، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ-بیروت، ط۔ اول:1422ھ، ج6، ص21، حدیث نمبر:4486

[30] القرآن 146:2

[31] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، ج1، ص74

[32] قرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، ج2، ص162

[33] بیضاوی، ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد الشیرازی، انوار التنزیل واسرار التاویل، داراحیاء التراث العربی-بیروت، ط۔ اول:1418ھ، ج1، ص112

[34] ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج1، ص462

[35] پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیرِ مظہری، ج1، ص145 تا146

[36] الرازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن التیمی، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)، دار احیاء التراث العربی-بیروت، ط۔ سوم:1420ھ، ج4، ص112

[37] القرآن 180:2

[38] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، ج1، ص116

[39] ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج ا، ص492

[40] سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر، و جلال الدین محمد بن احمد المحلی، تفسیر جلالین، ج1، ص37

[41] القرآن 114:11

[42] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، سورۃ ھود آیت114

[43] ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج4، ص355

[44] الدارمی، محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ، التمیمی، صحیح ابن حبان، مؤسسہ الرسالہ-بیروت، ط۔ دوم:1414ھ، ج5، ص16

[45] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، ج6، ص75، حدیث نمبر:4687

[46] پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، مولانا، تفسیرِ مظہری، ج5، ص127

[47] القرآن 37:33

[48] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، سورۃ الاحزاب آیت37

[49] ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج6، ص425

[50] پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیرِ مظہری، ج2، ص140

[51] النیشاپوری، مسلم بن حجاج، ابو الحسن، صحیح المسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج2، ص1018

[52] القرآن 56:33

[53] غلام اللہ خان، مولانا، جواہر القرآن، سورۃ الاحزاب آیت 56

[54] ابن کثیر، تفسیر القران العظیم، ج6، ص457

[55] پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیرِ مظہری، ج7، ص374